جلد ۳۸ | جمعۃ المبارک | ۲۲ ـــ ذوالحجہ ۱۴۰۶ھ | ۲۹ ـــ اگست ۱۹۸۶ء | شمارہ ۳۵

مندرجات

بدلِ اشتراک: سالانہ ۵۰ روپے — فی پرچہ ڈیڑھ روپیہ — ممالک غیر سے ۲۰ پونڈ

تحقیق و تنقید

مولانا ابو السلام محمد صدیق سرگودھا

مسئلہ عول اور منکرینِ حدیث

ادارہ ترجمان الحدیث کی طرف سے ایک مراسلہ موصول ہوا۔ جس میں میرے ایک مضمون "مسئلہ عول اور اہلِ تشیع و منکرین حدیث" کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے۔ ہم نے اپنے اس مضمون میں با دلائل ثابت کیا ہے کہ مسئلہ عول کی بنا عدل و انصاف اور شریعت کی عین منشا کے مطابق ہے۔ چنانچہ تفصیل سے وضاحت کی گئی کہ:۔

علم وراثت کی اصطلاح میں عول مخرج (ترکہ) کو حصص کے برابر کرنے کا نام ہے۔ مثلاً وارث خاوند اور دو عینی بہنیں ہیں۔ خاوند کا نصف حصہ دو عینی بہنوں کے لیے دو تہائی حصہ ہے۔ اس صورت میں مخرج چھ ہے اس کا نصف یعنی تین حصے خاوند کے لیے دو عینی بہنوں کے لیے دو تہائی یعنی چار حصے ہیں خاوند کے لئے تین حصے اور دو بہنوں کے لئے چار حصے کل سات حصے یہ اللہ تعالٰی کے مقرر کردہ ہیں۔ ترکہ چھ روپے ہے۔ سات حصہ کو بدستور رکھتے ہوئے ترکہ چھ کو سات پر پھیلا دیا۔ خاوند کو ۳ دو بہنوں کو ۴ حصے ملے۔ ترکہ کو پھیلانے کی صورت میں ہر وارث کو ملنے والے ترکہ میں کمی یکساں ہوتی ہے مگر ورثاء کے وہ حصص جو اللہ تعالٰی نے مقرر کئے ہیں۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی وہ بدستور سات ہی رہے ہیں۔

اللہ تعالٰی کے مقرر کردہ کسی وارث کے حصص میں کمی کی جائے۔ جیسا کہ اہلِ تشیع اور منکرین حدیث کا نظریہ ہے تو اس سے دو قباحتیں لازم آتی ہیں۔ ایک قباحت یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے مقرر کردہ کسی ایک وارث کے حصص میں کمی کرنا یہ عدل و انصاف کے خلاف ہے۔ دوسری قباحت یہ ہے کہ ورثاء میں سے کسی ایک وارث کے اللہ تعالٰی کی طرف سے مقرر کردہ حصص میں کمی کرنا اس میں اللہ تعالٰی کی صریحاً نافرمانی ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

اس پر تنقید کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔

"اس ضمن میں عرض یہ ہے کہ شیعہ حضرات نے تو صرف بہنوں یعنی ایک فریق سے بے انصافی کی مگر آپ نے تو دونوں سے بے انصافی کی یعنی ان کے مقرر کردہ حصص سے تمام کو کم دلایا۔ میں ایک اور مثال پیش کرتا ہوں۔ ایک میت نے دو اخیافی بہنیں اور دو حقیقی بہنیں وارث چھوڑیں۔ اب یہ تینوں ورثاء ذوی الفروض شمار کئے جاتے ہیں جن کے حصص اللہ تعالٰی نے بالترتیب $\frac{1}{2}$ ، $\frac{1}{3}$ ، $\frac{2}{3}$ مقرر فرمائے ہیں۔ اب عول کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے آپ اصل حصص کے مجموعہ $\frac{9}{6}$ کے نسب نما ۶ کو بڑھا کر شمار کنندہ ۹ کے برابر کر دیا اور ترکہ کی تقسیم کر دی جس کے نتیجہ میں جو کچھ انہیں ملتا ہے وہ مذکورہ بالا حصوں کی بجائے $\frac{3}{9}$ و $\frac{2}{9}$ و $\frac{4}{9}$ ملتا ہے تو کیا یہ نئے حصے وجود میں نہ آ گئے جو بالکل اللہ تعالٰی کے مقرر کردہ حصوں سے یکسر مختلف ہیں۔ بلا شبہ کمی ایک صحیح نسبت سے واقع ہوئی ہے تو کیا یہ جملہ ورثاء کی حق تلفی نہیں ہوئی۔"

تنقید کنندہ نے مثال بیان کر کے اپنی طرف سے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالٰی نے ورثا کے جو حصص بیان کئے ہیں عول کی صورت میں وہ سب بدل چکے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالٰی کے مقرر کردہ حصص میں کوئی تبدیلی واقع نہیں

(باقی صفحہ ۵ پر)

فون دفتر الاعتصام
۵۴۴۰۶
جلد ۳۸
شمارہ ۳۵

۲۲ ذوالحجہ
۱۴۰۶ھ
جمعہ
۲۹ اگست
۱۹۸۶ء

...... پھر یہ جمہوری تماشا...!

تقسیم برصغیر سے پہلے مسلمانانِ ہند کو یہ سیاسی لائن دی گئی تھی کہ ہند کے مسلمان اپنے دینی عقائد اور اسلامی تشخص کی حفاظت کے لئے ایک خطۂ زمین حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں وہ اسلامی قوانین کا نفاذ کریں گے اور چودہ سو سال پرانا اسلامی معاشرہ قائم کریں گے۔ اس سلسلے میں قوم کو یہ واضح نعرہ دیا گیا

پاکستان کا مطلب کیا : لا الٰہ الا اللہ

مسلمانانِ ہند کی اسلام سے قلبی اور روحانی وابستگی نے اس نعرے کو چٹاگانگ سے تورخم تک اور سرینگر سے راس کماری تک یکساں مقبول اور مؤثر بنا دیا۔ آخر اگست ۴۷ء میں پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔ اور لوگ بزعم خویش پرچم اسلام کے سائے میں سکون پذیر ہو گئے ——— لیکن

این چه می بینم به بیداری ست یارب یا بخواب

یہاں اسلام کی بجائے جمہوریت کا بت سنگیں کھڑا کر دیا گیا، اگرچہ بعض علمائے کرام بھی اس جمہوری حکومت کے ساتھ "شیخ الاسلام" کے عہدے پر سرفراز ہوئے مگر ان کی حیثیت گاؤں کے "امام مسجد" سے زیادہ نہیں رہی۔ جمہوریت نے سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کا وہ تماشا دکھایا کہ اسمبلیوں میں دھینگا مشتی ہوئی اور آخر ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء نافذ ہوا ——— پھر جمہوریت کئی سال کے لئے زیر زمین چلی گئی ——— فیلڈ مارشل ایوب خاں مرحوم نے مارشل لاء کی کوکھ سے پھر جمہوریت کا بت برآمد کیا اور مسلم لیگ کے کنونشن میں اس کی تاجپوشی کی گئی ——— جمہوری تماشا پھر شروع ہوا۔ اور ملک بھر میں ہنگامے چلے ——— ایوب خاں ان سے تنگ آگیا۔ اور ملک کو یحیٰی خاں کے مارشل لاء کے سپرد کر کے گھر بیٹھ گیا۔ یحیٰی خاں کے مارشل لاء نے جمہوری انتخابات کروائے اور ملک دولخت ہو گیا ——— بھٹو مرحوم نے بنگلہ دیش کو الگ ملک بنانے میں اپنی عافیت جانی اور مغربی پاکستان کو "بچا کھچا پاکستان" بنا کر جمہوری سوشلزم کی گاڑی آگے بڑھائی ——— پیپلز پارٹی کی جمہوریت نے مزدور کسان اور روٹی کپڑا مکان کے نعرے سے "عوامی حکومت" کا پرفریب جال پھیلایا اور جبر و تشدد کا دور دورہ شروع کر دیا ——— عوام کی بہو، بیٹیوں کی عصمتیں لٹنے لگیں۔ اور غریبوں کا جینا دوبھر ہو گیا ——— ۱۹۷۷ء میں اس حکومت کے خلاف عوامی تحریک چلی جس نے بھٹو کا تختہ الٹ دیا۔ اور جنرل محمد ضیاء الحق کا مارشل لاء نافذ ہوا۔ جنرل صاحب نے مارشل لاء کے ساتھ ہی پھر اسلام کا نعرہ لگایا اور ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا عہد کیا۔ نو سال تک کچھ نہ کچھ اسلامی قوانین نافذ کئے گئے جن پر پورا عمل تو نہ ہو سکا مگر بہر حال اسلام کا چرچا عام پھیلا ——— اس ملک کی قسمت میں

جو اکھاڑ پچھاڑ لکھی گئی ہے اس کا اعادہ کسی نہ کسی طرح ہوتے ہی رہتا ہوتا ہے ــــ جنرل صاحب نے اسلام نافذ کرتے کرتے پھر یہ سوچا کہ یہاں جمہوریت ہی آنی چاہیئے اور انہوں نے مارشل لاء کے سائے میں ہی جمہوریت بحال فرما دی ۔ انتخابات کروائے ۔ اسمبلیوں اور سینیٹ کا قیام عمل میں آ گیا ۔ اور ۱۹۸۶ء کا سورج مارشل لاء کے خاتمے اور جمہوریت کی بحالی کے ساتھ طلوع ہوا ــــ جناب محمد خاں جونیجو وزیر اعظم بنے اور جمہوری دور کے ساتھ ہی سیاسی جماعتوں کی بحالی ہو گئی ۔ ملک سے بھاگے ہوئے سیاست دان بیرونی ممالک سے واپس آنے لگے ۔ اور جمہوری تماشا پھر شروع ہو گیا ۔

یہ تماشا پوری دنیا دیکھ رہی ہے ۔ بڑے بڑے سیاسی جلسے ہو رہے ہیں اور لطف یہ کہ لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کے دعویدار خود جلوس نکال نکال کر عوام کی املاک، حکومت کے دفاتر، پولیس تھانے اور ریلوے سٹیشن تک جلا جلا کر خاکستر کر رہے ہیں ــــ یعنی دیو استبداد جمہوری قبا میں بھی ننگا ہو کر ناچ رہا ہے ۔ پنجاب اور سندھ میں جمہوریت قتل و غارت کا طوفان اٹھائے ہوئے ہے ــــ قانون نافذ کرنے والے خود گولیوں کا نشانہ بن رہے ہیں ــــ اور یہ جمہوریت کا وہی ثمر تلخ ہے جو اس سے پہلے بھی کئی بار چکھا جا چکا ہے ــــ پاکستان کا مومن ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسا جا رہا ہے ــــ یا للعجب !!!

ہم مارشل لاء کے دور میں بھی بار بار انہی کالموں میں اسلام کے مکمل نفاذ کا مطالبہ کر چکے ہیں اور اب بھی اسی کا اعادہ کرتے ہیں کہ اگر جمہوریت بحال کرنے کی بجائے اسلام کو مکمل اور مضبوط بنیادوں پر نافذ کر دیا جاتے تو یہ سیاسی افراتفری کبھی پیدا نہ ہو سکے ــــ جرائم کی اسلامی سزائیں بدقماشوں اور طالع آزماؤں کا بہترین علاج ہو سکتی ہیں ــــ مگر جمہوریت کے نزدیک یہ ظلم ہے ــــ غیر انسانی حرکت ہے ــــ وحشیانہ فعل ہے ــــ !! ہماری سمجھ میں آج تک یہ نہیں آسکا کہ روس میں سیاسی اور اخلاقی مجرموں کو سائبیریا کے برفانی بیابانوں میں دھکیل کر موت کی نیند سلا دینا کہاں کی انسانیت ہے ــــ ہمارے دانشور کبھی اس پر غور نہیں کرتے ۔ اگر کرتے ہیں تو اسلامی سزاؤں پر نہ صرف تنقید کرتے ہیں بلکہ ان پر بری طرح برستے بھی ہیں ۔ اس کے باوجود ان کو نہ کوئی سزا ملتی ہے نہ ان پر کوئی قدغن لگتی ہے ــــ اس پر بھی ان کے جمہوری اظہار گفتار کی آزادی کو پابندی ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے ــــ سبحان اللہ ؟

ہم اپنی جمہوری حکومت سے نہایت دلسوزی سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ بار بار مارشل لاء اور جمہوریت کا باہمی تبادلہ نہ کرتے رہیں جو یہاں کا دستور بن کر رہ گیا ہے بلکہ اسلام کو مکمل طور پر نافذ کریں اور بلا خوف لومۃ لائم مجرموں کو سزائیں دیں ۔ اسلام کا نظام عدل جو تقاضا کرتا ہے اس کو پورا کریں ۔ مجرموں کو سزا اور نیکوکاروں کو جزا کا مژدہ سنائیں ۔ اسی میں اس ملک کی بھلائی ہے ورنہ اکھاڑ پچھاڑ کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو گا ۔

پیش خورشید بر مکش دیوار
خواہی ار صحن خانہ نورانی

ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم و مغفور

ملک کے نامور معلم، مصنف، دانشور اور ادیب ڈاکٹر سید عبداللہ ۱۴ اگست ۱۹۸۶ء کو طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے ۔ چند ماہ پیشتر آپ پر فالج کا حملہ ہوا تھا جس نے آپ کو مسلسل بے ہوش کئے رکھا ۔ ہسپتال میں طویل علاج کے بعد گذشتہ دنوں انہیں گھر منتقل کیا گیا مگر وہ جانبر نہ ہو سکے اور اپنے وقت موعود پر جان جان آفرین کے سپرد کر دی ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ سید صاحب مرحوم کی علمی اور ادبی شخصیت علمی اداروں

دینی حلقوں، حکومتی ایوانوں اور ادبی آفاق پر یکساں مقبول تھی۔ ایک طویل مدت علمی اداروں میں معلمی کے فرائض انجام دینے کے بعد آخر میں آپ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی سے منسلک تھے۔ اور اس ادارہ کے صدر تھے۔ جو اسلامی انسائیکلوپیڈیا مرتب کر رہا تھا۔ ان کی صدارت میں یہ کام تقریباً اختتام کو پہنچ رہا تھا صرف دو تین جلدیں باقی تھیں کہ اجل کا بلاوا آ گیا —— سید صاحب بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب کے بعد اردو کے سب سے بڑے بہی خواہ اور ملک میں اردو کے نفاذ کے داعی اول تھے۔ انہوں نے اردو کو سرکاری دفاتر اور پرائیویٹ اداروں میں انگریزی کی جگہ مکمل طور پر نافذ کروانے کے لیے مسلسل کام کیا جس کے باعث ملک میں اردو کا بول بالا ہوا، سرکاری دفاتر میں اس کے نفاذ کی تحریک جاری ہوئی جو اب بھی پوری تندہی سے کام کر رہی ہے اور ایک دن کامیاب ہو کر رہے گی، ان شاء اللہ۔

سید صاحب ایک بلند پایہ مصنف اور معلم ہی نہیں ایک نہایت شفیق اور بلند اخلاق بزرگ بھی تھے۔ وہ ہر قسم کی ادبی، دینی، تحقیقی، تاریخی اور تمدنی کتب پر مصنفین کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ اکثر کتب کے دیباچے اور تقریظیں ان کے قلم کی مرہونِ منت ہیں، راقم الحروف کو سید صاحب سے کوئی زیادہ قرب حاصل نہیں رہا۔ بس بعض ادبی اجتماعات میں ان کے خیالات سے استفادے کا موقع ملا ہے لیکن جب میں نے شاہنامہ بالاکوٹ کی جلد اول تقریظ کے لیے پیش کی تو نہایت خندہ پیشانی سے نہ صرف اسے قبول فرمایا بلکہ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوصف صرف ایک ہفتے میں نہایت شستہ اور شائستہ تحریر میرے حوالے فرما دی جو کتاب مذکور میں شامل ہے۔

شیخنا المکرم حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ کے ساتھ سید صاحب کے علمی روابط تھے اور علمی معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی اور قلبی موانست تھی۔ جہاں مولانا سید صاحب کے علم و فضل کے مداح تھے وہاں سید صاحب بھی مولانا کے

(باقی صے پر)

بقیہ: عول

ہوتی تفصیل حسب ذیل ہے۔ تنقید کنندہ کی مثال میں کہا گیا ہے کہ وارث خاوند دو اخیافی اور دو عینی بہنیں ہیں۔ اس صورت میں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو حصص مقرر کئے ہیں، ان میں خاوند کے لئے نصف دو اخیافی بہنوں کے لئے ایک تہائی اور دو عینی بہنوں کے لئے ⅔ حصہ ہے۔ ½، ⅓، ⅔ حصص نکالنے کے لئے کم سے کم عدد چھ ہو سکتا ہے۔ اس میں سے خاوند کے لئے نصف تین حصے دو اخیافی بہنوں کے لئے ایک تہائی دو حصے اور دو عینی بہنوں کے لئے دو تہائی چار حصے اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں۔ یہ کل ۹ حصے ہوئے۔ مخرج (ترکہ) ۶ ہے۔ ورثاء کے نو حصص میں کمی نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں۔ البتہ ترکہ چھ کو ورثاء کے نو حصص پر پھیلا دیا گیا۔ اس سے تمام ورثاء نے اپنے حصص کے مطابق ترکہ لے لیا ہے۔ اور ورثاء کو ملنے والے ترکہ میں یکساں کمی واقع ہو گئی ہے مگر حصص ان کے بدستور رہے ہیں۔ تنقید کنندہ نے عول کو باطل ٹھہرانے کے لیے جو مثال دی ہے اس سے تو ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے کہ ورثاء کو ان کے حصص کے مطابق ترکہ دینے کے لیے ترکہ میں مناسب کمی کی ہے تاکہ تمام ورثاء کو ان کے حصص کے مطابق ترکہ مل سکے اور عدد حصص میں کمی نہ ہو۔ لہذا مسئلہ عول کی بنیاد عین عدل و انصاف پر مبنی ہے اور اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہے۔ جو شخص اس معمولی اور آسان بات کو سمجھ نہیں سکتا اس کی تنقید قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتی۔ ولا تقف ما لیس لک به علم جس بات کا علم نہ ہو اس میں دخل اندازی بے سمجھ لوگوں کا کام ہے۔

اخوہ اور آخر تک مسئلہ کا تعلق علامہ جاوید احمد غامدی سے ہے اس پر ہم نے تفصیل سے بحث کی ہے اگر وہ مزید اس بحث کو چلانا چاہیں تو جواب پر غور ہو سکتا ہے۔ تنقید کنندہ کو یہ مسئلہ زیر بحث لانے کا حق نہیں ہے۔

التفسیر والتعبیر

مولانا عزیز زبیدی، نیا کرول۔ لاہور

تفسیر سورۃ البقرۃ

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا کَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ وَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَکْسِبُوْنَ ۝

"تباہی ان کے لیے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے (اتری) ہے تاکہ اس کے حقیر سے پیسے کمائیں پس افسوس ان پر جنہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا۔ اور خرابی ہے ان کے لیے جو ایسی کمائی کرتے ہیں۔"

[1] فویل: سو تباہی، خرابی:۔ امام راغب لکھتے ہیں کہ ویل برے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور حسرت کے موقع پر "ویل" تحقیر کے لئے "ویس" اور ترحم کے لیے "ویح" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔" (مفردات) شاہ عبدالقادر دہلویؒ ویل کے معنے میں لکھتے ہیں: "غم اور خرابی اور عذاب ہے۔" (موضح)

[2] الکتب: کتاب: یعنی بے اصل باتیں لکھ کر ان کو وحی الٰہی بتاتے اور مطلب کی باتیں سنا کر لوگوں سے دام کھرے کیا کرتے تھے۔ "ثمنا قلیلا" سے مراد تھوڑے پیسے نہیں بلکہ فانی دنیا کی ہر شے کو تحقیراً "ثمنا قلیلا" کہا جاتا ہے۔ حق کے عوض خواہ ساری دنیا ارض و سماء اور مافیہا کی ہر چیز ہی کیوں نہ ہو۔ حضور کا ارشاد ہے کہ خدا کے نزدیک دنیا کی قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو منکرین کو اس کا گھونٹ ہی نہ دیتا۔ او کما قال۔

[3] مما کتبت ایدیھم: اس سے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا: یعنی ایسے ہاتھ ٹوٹ جائیں، ان کی کمائی میں برکت نہ ہو۔ حضرت شاہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں: یہ وہ لوگ ہیں جو عوام کو ان کی خوشی کے موافق باتیں جوڑ کر لکھ دیتے ہیں اور نسبت کرتے ہیں حضرت خدا تعالیٰ سے یا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے (فوائد سلفیہ۔ موضح) امام وقت حضرت علامہ ابو الوفاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا جو تشریحی ترجمہ کیا ہے اس نے آیت کی تفہیم کا حق ادا کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

پس افسوس ہے ان نام کے عالموں کو جو اپنے ہاتھ سے ایک منصوبہ بنا کر لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس بناوٹ سے ان کی غرض کوئی ہدایت خلق اللہ نہیں۔ حاشا و کلا! بلکہ سارے حیلے حوالے اس لئے کرتے ہیں تاکہ اس کے عوض میں کسی قدر دنیا کا مال حاصل کریں۔ دیکھو تو کیسا بڑا ظلم کرتے ہیں۔ پس افسوس ہے ان کے حال پر ان کے لکھنے کی وجہ سے اور افسوس ہے ان پر ان کی کمائی سے (تفسیر ثنائی)

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس دور میں ان کے ہو بہو اور بالکل سچی مثال، بریلوی اور شیعہ لوگ ہیں، انہوں نے اس قدر جھوٹی حدیثیں عوام کو سنائی ہیں اسی طرح بزرگوں اور صلحاء کے نام پر عامیانہ قصے کہانیاں سنا سنا کر عوام کو جس طرح خوش فہم اور بر خود غلط بنا کر رکھ دیا ہے وہ بنی اسرائیل کے کاروباری علماء سے کچھ کم فتنہ نہیں ہیں۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ

عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

"اور کہتے ہیں کہ گنتی کے چند دنوں کے سوا ہمیں تو آگ چھوئے گی بھی نہیں! (اے پیغمبر!) ان سے فرمائیے! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عہد لے رکھا ہے کہ (اب) اللہ تعالیٰ اپنے عہد کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ یا بے جانے بوجھے اللہ پر الزام دھرتے ہو۔"

۱ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ: ہمیں آگ ہرگز نہیں چھوئے گی؛ یعنی ان کی من جملہ ڈینگوں اور خوش فہمیوں کے ایک یہ بات ہے کہ وہ بڑے وثوق سے کہہ رہے ہیں کہ آگ کو ہم سے کیا سروکار؟ اگر کوئی بات ہوئی بھی تو بس وہ صرف چند دن یعنی وہ چالیس روز ہوں گے۔ جن میں ہمارے باپ دادوں نے چالیس دن بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ باقی رہیں دوسری سیّئات؟ سو ان کا کیا ہے۔ اپنوں سے چھوٹی موٹی لغزشیں ہو ہی جاتی ہیں اور کرم فرما ان سے درگذر کیا ہی کرتے ہیں۔ اللہ کے ہم آخر محبوب اور اس کے برخوردار ہی ٹھہرے، اس لئے اب ڈر کاہے کا؟ —— یہود خیبر نے حضورؐ سے کہا جہنم میں ہم تھوڑے دن رہیں گے۔ پھر ہماری جگہ تم آجاؤ گے، آپ نے فرمایا دفع ہو جاؤ، ہم تمہاری جگہ نہیں لیں گے۔ نسائیؒ۔ ابوہریرہ۔

۲ عَهْدًا: معاہدہ۔ وعدہ: یعنی ایسی باتیں جو کرتے ہو اور پھر اس قدر وثوق کے ساتھ تو کیا تم نے اللہ سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے۔ کہ اب اللہ کے لئے اس کا خلاف کرنا محال ہے۔ کیونکہ وعدہ خلافی اس کی شان کے خلاف ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی اللہ سے ایسا کوئی قول و قرار ہوا ہو، بالکل بے اصل اور بے بنیاد وعدہ ہے۔ تعالی اللہ عما یصفون۔

۳ ام: کونسی بات ہے: اَمْ جب ہمزہ استفہام کے بالمقابل استعمال ہو تو بمعنے "ای" ہوتا ہے، جیسے ازید فی الدار ام عمرو یعنی دونوں میں سے کون ہے۔ اگر ہمزہ استفہام کے بعد نہ آئے تو بمعنے بَل ہوتا ہے (مفردات) یعنی اللہ سے کوئی عہد اور قرار لے رکھا ہے یا اللہ پر تم جھوٹ بولتے ہو۔ دونوں میں سے کوئی بات ضرور ہے! اگر "ام" کے معنے "بل" کریں گے تو یوں ترجمہ ہوگا بلکہ تم اللہ پر جھوٹ بولتے ہو۔

بہرحال دنیا کا یہ عجیب لطیفہ ہے کہ فکری اعتبار سے جتنا کوئی کم مایہ اور عملی لحاظ سے جتنا کوئی ننگِ عمل ہوتا ہے خوش فہمیوں میں بھی اتنا ہی وہ مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہی حال ان کا ہے۔

بے خدا فلاسفہ کا نظریہ ہے کہ ارواح گو بدعملیوں سے مکدر اور قبیح ہو جاتی ہیں لیکن جسم سے جدا ہو کر پھر وہ اپنے اصل کی طرف رجوع کر لیتی ہیں۔ اب ان کو کوئی بھی برا عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا مگر صرف چند دن کے لئے (غرائب القرآن و رغائب الفرقان تحت آیت مذکورہ)

بقیہ ● ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم و مغفور

فضل و کمال کے معترف تھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے حسنات کو قبول فرمائے۔ اور بشری فروگزاشتوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے فردوس بریں میں درجاتِ عالیہ عطا فرمائے۔ ع

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

درسِ حدیث

تحریر: شیخ عمر فاروق صاحب ۔ لاہور

غصّے کی حالت میں نفس پر قابو رکھنا

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لیس الشّدید بالصُّرَعَۃِ، انما الشّدید الّذی یملکُ نفسہٗ عِندَ الغَضَبِ» (بخاری ۔ مسلم)

”ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: ”پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسروں کو پچھاڑ دے ۔ حقیقت میں پہلوان وہ ہے جو غصہ میں اپنے نفس کو قابو میں رکھے“

علم کی غرض وغایت تربیت نفس ہے ۔ تربیتِ نفس کے دو مرحلے ہیں ۔ ایک وہ مقام ہے جہاں افرادِ ملّت کے شخصی کردار کی تربیت کی جاتی ہے ۔ دوسری اور بلند تر منزل وہ ہے جہاں ملّت کے افراد کے قومی اور ملّی شعور کو ابھارا جاتا ہے اور ان کے اجتماعی کردار کی تربیت کی جاتی ہے ۔ اسلام انفرادی اور اجتماعی تربیت کرتا ہے اور ایک ایسا صاف ستھرا معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس کے افراد جہاں دیانت وامانت داری، تواضع وخاکساری عدل وانصاف، شرم وحیا، عفت وپاکبازی جیسے فضائل اخلاق سے آراستہ ہوتے ہیں وہاں خیانت وبددیانتی، غیظ وغضب، مکر وفریب، حرص وطمع، فخر وغرور، ظلم وستم، کذب ودروغ گوئی جیسے رذائل سے کنارہ کش ہوتے ہیں ۔

زیرِ مطالعہ حدیث میں جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر خوبصورت اور حکیمانہ انداز میں غصّہ کو مہذّب و مسخّر بنانے کی ترکیب بیان فرمائی ہے ۔ عام نظر میں شہ زور اور طاقتور وہی شخص کہلاتا ہے جو قوتِ بازو سے دوسروں کو گرا لے مگر شارع علیہ السّلام کی نظر میں قوی اور طاقتور وہ شخص ہے جو غیظ وغضب کی حالت میں صبر وسکون کا مظاہرہ کرے اور اپنے نفس کو لگام دے ۔ سکون کی حالت میں کسی کو معاف کر دینا آسان ہوتا ہے مگر ٹھیک اس وقت جب آتشِ غضب بھڑک اٹھی ہو اُسے ٹھنڈا کرنا جوانمردی اور بہادری بھی ہے اور احسان ومروّت بھی، وہ لوگ جو غصّہ کے وقت دوسروں سے درگذر کرتے ہیں اللہ تعالٰی کے نزدیک محسنین قرار پاتے ہیں اور یہ بہت بڑا رتبہ ہے ۔

وَالکَاظِمِینَ الغَیظَ وَالعَافِینَ عَنِ النَّاسِ وَاللہُ یُحِبُّ المُحسِنِینَ ۔

”اور غصّے کو دبا لینے والے اور لوگوں کے قصور معاف کرنے والے، ایسے ہی لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں“

ایک دوسری جگہ اس طرح ارشاد فرمایا: ۔ وَاِذَا مَا غَضِبُوا ھُم یَغفِرُونَ ۔ ”اور جب ان کو غصّہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں“

جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پیکرِ عفو اور حلم کا نمونہ تھی ۔ جب آپ نے دعوتِ حق کو پیش کیا تو قریشِ مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح سے پریشان کیا ۔ آپ کو گالیاں دیں ۔ مارنے کی دھمکی دی ۔ راستے میں کانٹے بچھائے ۔ جسم اطہر پر نجاستیں ڈالیں ۔ گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں

کیں۔ نعوذ باللہ کبھی جادوگر، کبھی پاگل، کبھی شاعر کہا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی صبر و سکون سے دعوتِ حق کو جاری رکھا۔ اور پتھر کھا کر بھی کہ جسدِ اطہر سے خون بہنے لگتا تو ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائے خیر فرمائے۔ آپ کے ان کریمانہ اخلاق کی قرآن گواہی دیتا ہے۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ "اور بے شک آپ حسنِ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و حلم، عفو و درگذر کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ اسلام قبول کرنے لگے اور مکہ فتح ہونے پر آپ کے حسنِ سلوک کو دیکھ کر لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ ہیں قرآن حکیم کی بلند تعلیمات کے اثرات و نتائج۔ ارشاد ہوتا ہے:

ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم۔

"تم سخت کلامی کا ایسے طریق سے جواب دو، جو بہت اچھا ہو۔ ایسا کرنے سے تم دیکھو گے کہ جس میں اور تم میں دشمنی ہو، گویا وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے"۔

ایک غزوہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دشمن پر قابو پالیا تھا اور قریب تھا کہ اس کا کام تمام کر ڈالتے۔ دشمن نے آپ کے چہرۂ اقدس پر تھوکا۔ اس حال میں یقیناً غصہ تیز ہو جانا چاہیئے تھا مگر آپؓ نے دشمن کو چھوڑ دیا۔ اس شخص کو حضرت علیؓ کے اس طرزِ عمل پر بڑا تعجب ہوا، اور اس نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ پہلے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لڑ رہا تھا۔ اب جب کہ تم نے میرے چہرے پر تھوکا تو میرا غصہ اس ارادہ میں شامل ہوا اور جو عمل لوجہ اللہ ہو اس میں ذاتی غرض و غایت شامل نہ ہونی چاہیئے۔ وہ شخص حضرت علیؓ کے پاکیزہ جذبات سے بڑا متاثر ہوا، اور اس کے دل کی دنیا بدل گئی۔ اور وہ دولتِ اسلام سے مالا مال ہو چکا تھا۔

اسلام کا مایۂ ناز سپوت اور اسلامی فوج کا سپہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبی ایک مرتبہ سخت بیماری سے اُٹھے اور غسلِ صحت کے لئے حمام میں گئے۔ پانی بہت گرم تھا، ٹھنڈا پانی مانگا۔ خادم نے پانی حاضر کیا۔ پانی کچھ چھلک کر ان پر گرا۔ کمزوری کی وجہ سے ان کو تکلیف ہوئی۔ پھر ٹھنڈا پانی مانگا۔ اس مرتبہ ٹھنڈے پانی کا پورا طشت گر گیا اور سارا پانی ان پر آ گیا اور وہ مرتے مرتے بچے، لیکن صرف اتنا کہا کہ اگر مجھے مارنے کا ارادہ ہو تو کہہ دو۔ خادم نے معذرت کی۔ اور وہ خاموش ہو گئے۔ اور کوئی باز پرس نہیں کی۔

اسلام نے اگر غصہ کو پی جانا بہادری قرار دیا ہے تو بعض مواقع پر غصہ کا اظہار بھی شجاعت کی علامت بن جاتا ہے مثال کے طور پر میدانِ جہاد میں اگر دشمنوں کے مقابلے میں غیظ و غضب پیدا نہ ہو تو بزدلی پیدا ہو گی جو شکست و ذلت کا باعث ہو سکتی ہے۔ اس لیے صحابہ کرامؓ کے بارے میں ذکر ہوا ہے۔

"اشداء علی الکفار رحماء بینھم"

"کہ کفار پر تو بڑے سخت ہیں مگر آپس میں مہربان دوست ہیں"

اسی طرح برائی اور بے حیائی کے خلاف، منکر اور ریب کے خلاف طیش آنا ایمان کی علامت ہے اور بندۂ مومن تمام بدیوں کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اسلام غصہ کو ختم نہیں کرتا ہے بلکہ اس کے اظہار کا صحیح طریق کار بتاتا ہے۔

فطری طور پر انسان کمزور اور بے بس واقع ہوا ہے تعلیم و تربیت سے ہی اس میں اچھی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ اور مسلسل مشق، عزم و ارادہ، ریاضت و مجاہدہ سے ہی پاکیزہ عادات کا وہ خوگر بنتا ہے۔ جب غصہ پیدا ہو تو فوراً اس احساس کو بیدار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کائنات میں عظمت و عزت کا شرف بخشا ہے اور اشرف المخلوقات

درسِ حدیث

تحریر: شیخ عمر فاروق صاحب ۔ لاہور

غصّے کی حالت میں نفس پر قابو رکھنا

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قال: لیس الشّدید بالصُّرعۃ، انما الشّدید الّذی یملکُ نفسہٗ عِندَ الغضب " (بخاری ۔ مسلم)

" ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا " پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسرں کو پچھاڑ دے ، حقیقت میں پہلوان وہ ہے جو غصہ میں اپنے نفس کو قابو میں رکھے "۔

علم کی غرض وغایت تربیت نفس ہے۔ تربیت نفس کے دو مرحلے ہیں ۔ ایک وہ مقام ہے جہاں افرادِ ملّت کے شخصی کردار کی تربیت کی جاتی ہے۔ دوسری اور بلند تر منزل وہ ہے جہاں ملّت کے افراد کے قومی اور ملّی شعور کو ابھارا جاتا ہے اور ان کے اجتماعی کردار کی تربیت کی جاتی ہے۔ اسلام انفرادی اور اجتماعی تربیت کرتا ہے اور ایک ایسا صاف ستھرا معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس کے افراد جہاں دیانت وامانت داری، تواضع وخاکساری عدل وانصاف، شرم وحیا، عفت وپاکبازی جیسے فضائل اخلاق سے آراستہ ہوتے ہیں وہاں خیانت وبددیانتی، غیظ و غضب، مکروفریب، حرص وطمع، فخروغرور، ظلم وستم، کذب و دروغ گوئی جیسے رذائل سے کنارہ کش ہوتے ہیں۔

زیرِ مطالعہ حدیث میں جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر خوبصورت اور حکیمانہ انداز میں غصّہ کو مہذّب و مسخّر بنانے کی ترکیب بیان فرمائی ہے۔ عام نظر میں شہ زور اور طاقتور وہی شخص کہلاتا ہے جو قوتِ بازو سے دوسروں کو گرا لے مگر شارع علیہ السّلام کی نظر میں قوی اور طاقتور وہ شخص ہے جو غیظ وغضب کی حالت میں صبر وسکون کا مظاہرہ کرے اور اپنے نفس کو لگام دے، سکون کی حالت میں کسی کو معاف کر دینا آسان ہوتا ہے مگر ٹھیک اس وقت جب آتشِ غضب بھڑک اٹھی ہو اُسے ٹھنڈا کرنا جوانمردی اور بہادری بھی ہے۔ اور احسان ومروّت بھی، وہ لوگ جو غصّہ کے وقت دوسروں سے درگذر کرتے ہیں اللہ تعالےٰ کے نزدیک محسنین قرار پاتے ہیں۔ اور یہ بہت بڑا رتبہ ہے۔

وَالکاظمین الغیظ والعافین عنِ النّاس واللہ یحبّ المحسنین ۔

" اور غصّے کو دبا لینے والے اور لوگوں کے قصور معاف کر لے والے، ایسے ہی لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں "

ایک دوسری جگہ اس طرح ارشاد فرمایا: ۔ وَاذا ما غضبوا ھم یغفرون ۔ " اور جب ان کو غصّہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں "

جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پیکر عفو ودرگذر و حلم کا نمونہ تھی ۔ جب آپ نے دعوتِ حق کو پیش کیا تو قریش مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح سے پریشان کیا۔ آپ کو گالیاں دیں۔ مارنے کی دھمکی دی۔ راستے میں کانٹے بچھائے۔ جسم اطہر پر نجاستیں ڈالیں۔ گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں

کیس۔ نعوذ باللہ کبھی جادوگر، کبھی پاگل، کبھی شاعر کہا، لیکن
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی صبر و سکون سے دعوتِ حق
کو جاری رکھا۔ اور پتھر کھا کر بھی کہ جسدِ اطہر سے خون بہنے لگتا تو ان
کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائے خیر فرمائے۔ آپ کے ان
کریمانہ اخلاق کی قرآن گواہی دیتا ہے۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ
عَظِیْمٍ۔ "اور بے شک آپ حسنِ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں"۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و حلم، عفو و درگذر کا نتیجہ یہ
نکلا کہ لوگ اسلام قبول کرنے لگے اور مکہ فتح ہونے پر آپ کے
حسنِ سلوک کو دیکھ کر لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔
یہ ہیں قرآن حکیم کی بلند تعلیمات کے اثرات و نتائج۔ ارشاد ہوتا ہے:

ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک
وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم۔

"تم سخت کلامی کا ایسے طریق سے جواب دو۔ جو بہت
اچھا ہو۔ ایسا کرنے سے تم دیکھو گے کہ جس میں اور تم میں دشمنی ہو،
گویا وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے"۔

ایک غزوہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دشمن پر قابو
پالیا تھا اور قریب تھا کہ اس کا کام تمام کر ڈالتے۔ دشمن نے آپ
کے چہرۂ اقدس پر تھوکا۔ اس حال میں یقیناً غصہ تیز ہو جانا چاہیئے
تھا مگر آپ نے دشمن کو چھوڑ دیا۔ اس شخص کو حضرت علی رض کے
اس طرزِ عمل پر بڑا تعجب ہوا، اور اس نے آپ سے اس کی وجہ
پوچھی۔ حضرت علی نے فرمایا کہ پہلے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے
لڑ رہا تھا۔ اب جب کہ تم نے میرے چہرے پر تھوکا تو میرا غصہ
اس ارادہ میں شامل ہوا اور جو عمل لوجہ اللہ ہو اس میں ذاتی
غرض و غایت شامل نہ ہونی چاہیئے۔ وہ شخص حضرت علی رض کے
پاکیزہ جذبات سے بڑا متاثر ہوا۔ اور اس کے دل کی دنیا بدل
گئی۔ اور وہ دولتِ اسلام سے مالا مال ہو چکا تھا۔

اسلام کا مایۂ ناز سپوت اور اسلامی فوج کا سپہ سالار
سلطان صلاح الدین ایوبی ایک مرتبہ سخت بیماری سے اٹھے
اور غسلِ صحت کے لئے حمام میں گئے۔ پانی بہت گرم تھا۔ ٹھنڈا
پانی مانگا۔ خادم نے پانی حاضر کیا۔ پانی کچھ چھلک کر ان پر گرا،
کمزوری کی وجہ سے ان کو تکلیف ہوئی۔ پھر ٹھنڈا پانی مانگا۔
اس مرتبہ ٹھنڈے پانی کا پورا طشت گر گیا اور سارا پانی ان پر
آگیا اور وہ مرتے مرتے بچے، لیکن صرف اتنا کہا کہ اگر مجھے
مارنے کا ارادہ ہو تو کہہ دو۔ خادم نے معذرت کی۔ اور وہ
خاموش ہو گئے۔ اور کوئی باز پرس نہیں کی۔

اسلام نے اگر غصّہ کو پی جانا بہادری قرار دیا ہے تو
بعض مواقع پر غصّہ کا اظہار بھی شجاعت کی علامت بن جاتا ہے
مثال کے طور پر میدانِ جہاد میں اگر دشمنوں کے مقابلے میں
غیظ و غضب پیدا نہ ہو تو بزدلی پیدا ہوگی جو شکست و ذلّت
کا باعث ہو سکتی ہے۔ اس لیے صحابہ کرامؓ کے بارے میں
ذکر ہوا ہے۔

"اشدّاء علی الکفّار رحماء بینھم"

"کہ کفار پر تو بڑے سخت ہیں مگر آپس میں مہربان دوست ہیں"
اسی طرح برائی اور بے حیائی کے خلاف، مکر اور فریب
کے خلاف طیش آنا ایمان کی علامت ہے اور بندۂ مومن
تمام بدیوں کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ
اسلام غصّہ کو ختم نہیں کرتا ہے بلکہ اس کے اظہار کا صحیح
طریق کار بتاتا ہے۔

فطری طور پر انسان کمزور اور بے بس واقع ہوا ہے
تعلیم و تربیت سے ہی اس میں اچھی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ اور
مسلسل مشق، عزم و ارادہ، ریاضت و مجاہدہ سے ہی پاکیزہ
عادات کا وہ خوگر بنتا ہے۔ جب غصہ پیدا ہو تو فوراً اس
احساس کو بیدار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے کائنات
میں عظمت و عزت کا شرف بخشا ہے اور اشرف المخلوقات

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفیؒ

بیت اللہ اور اس کی حدودِ عزت و احترام

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰہُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالْعَاکِفُ فِیْہِ وَالْبَادِ وَمَنْ یُّرِدْ فِیْہِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْہُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (الحج - ۲۵) ”جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے تمام لوگوں کے لیے بنایا ہے کہ اس میں سب برابر ہیں۔ اس میں رہنے والا بھی - جو بھی اس (مسجد) میں راستی سے ہٹ کر ظلم کا طریقہ اختیار کرے گا۔ ہم اسے دردناک عذاب دیں گے“

سورۂ حج کے شروع سے اس مقام تک حق اور باطل کی جنگ اور آویزش کا ذکر چلا آرہا تھا اور ہر فریق کا جو انجام ہونے والا ہے اس کا بیان بھی ہو چکا ہے۔ اب ان آیات میں کفارِ مکہ کا ذکر ہے۔ ایسے لوگ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ماننے سے انکار کر چکے ہیں اور اب بھی اسی روش پر قائم ہیں۔ یعنی خود بھی ماضی و حال میں کفر ہی کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور اللہ کے راستہ سے دوسروں کو روک رہے ہیں اور ماضی قریب و بعید میں بھی ان کا عمل یہی رہا ہے۔

ضد اور عناد قبولِ حق کی راہ میں سخت رکاوٹ ثابت ہوتا ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ لوگ اطمینان سے زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں کہ ایک غلط آدمی اس طرح ضد اور عناد اختیار کرتا ہے کہ لوگوں میں تفریق کرا دیتا اور زمین میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ پارٹی بازی ہو جاتی ہے امن پسند آدمیوں کی اکثریت ہوتی ہے لیکن وہ شرارت پسندوں کے خوف سے خاموش ہو جاتے ہیں۔

امام بن حنبلؒ سے ایک شخص نے سوال کیا تھا کہ آپ جن لوگوں کو بدعتی کہتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی لوگ ہیں اور آپ کے ساتھ بھی ہیں۔ اب کس طرح پتہ چلے کہ کون حق پر ہے! امام صاحب نے جواب دیا تھا کہ جنازہ کے دن ان کا اور ہمارا فرق ظاہر ہو جائے گا امام احمدؒ کی وفات کے بعد اُن کے جنازہ میں لاکھوں مسلمان شریک ہوئے اور جنازہ سے متاثر ہو کر کئی ہزار یہودی مسلمان ہو گئے تھے امام احمدؒ کے مخالف بھی فوت ہوئے لیکن کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔

کفارِ مکہ ایک تو خود کافر تھے۔ دوسرے اللہ کے راستہ (اسلام) سے لوگوں کو روکتے اور برگشتہ کرنے کے لیے ہر طریقہ اور حربہ ان لوگوں نے استعمال کیا۔ ابوجہل اور ابولہب نے کس طرح مخالفت کی۔ اسی طرح علماء یہود نے بھی علانیہ مخالفت کی اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے رہے اور مسلمانوں کو ایمان سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے رہے بیت الحرام کو مسلمانوں کے لیے بند کر دیا۔ کوئی مسلمان وہاں جا کر نماز نہیں پڑھ سکتا تھا۔ لوگوں کو کس طرح سے روکتے اور اسلام کے قریب نہ جانے دیتے تھے؟ اس کا اندازہ کرنے کے لیے آپ حضرت ابو ذر غفاریؓ کے اس واقعہ پر غور کریں۔

یہ مکہ سے دُور - ایک گاؤں میں رہتے تھے اور بکریاں چراتے تھے - اسلام کی دعوت ان کے کان میں پڑی - تحقیق حال کے لیے انہوں نے اپنے بھائی کو مکہ روانہ کیا اس نے سرراہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی لیکن یہ ملاقات مختصر تھی - ماحول اس قدر خراب تھا کہ وہ کھل کر بات نہ کر سکے اور چند باتیں سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک طرف ہو گئے کہ مبادا مکہ والے دیکھ لیں - انہوں نے واپسی پر ابو ذر غفاریؓ کو ملاقات کے وقت بتایا لیکن کوئی صحیح بات نہ بتا سکے - کہا وہ آدمی دیکھنے میں نہ تو شاعر ہے نہ ساحر - اس کے کلام میں اثر ہے - جادوگروں سے اوپر کے درجہ کا آدمی ہے - لیکن اس سے حضرت ابو ذرؓ کی تسلی نہ ہوئی - بکریاں بھائی کے حوالے کر کے خود مکہ کا رُخ کیا مکہ میں پھرتے رہے اور حرم میں کافی دنوں قیام کیا - لیکن کوئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ تک نہ بتاتا تھا - ایک روز انہوں نے دیکھا کہ چند لوگ نئی طرح سے نماز پڑھ رہے ہیں مگر خوف و ہراس اس قدر طاری تھا کہ ان سے پوچھ نہ سکے - اس دوران میں حضرت علی رضؓ کو بھی نماز پڑھتے دیکھا تو ان سے دعوٰی نبوت کرنے والے کے متعلق دریافت کیا - اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچے اور ملاقات کے بعد مسلمان ہو گئے اور مکہ والوں سے اس قدر مار کھائی کہ ساری عمر یاد رہی - اس طرح سے یہ لوگ اللہ کے راستہ کی طرف لوگوں کو آنے سے روکتے رہے -

والمسجد الحرام — ائمہ تفسیر نے اس کے مطلب میں اختلاف کیا ہے کہ "والمسجد الحرام" سے مراد بیت اللہ کی چار دیواری مراد ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے مُراد مکہ شہر کی آبادی کی حدود ہیں - بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد حرم کی حد ہے -

مسجد حرام سے روکنا یہ ہے کہ ذہن میں اس مسجد کی عزت اور وقار نہ ہو - مکہ کے اندر لڑنا منع ہے کسی کی بے عزتی کرنا منع ہے -

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ مسجد کی حد کیا ہے ؟ جواب میں فرمایا کہ مسجد کی حد جس قدر زیادہ ہو وہ مسجد میں ہی شمار ہو گی - جتنی بھی توسیع ہوتی رہے وہ مسجد ہی شمار ہو گی - سواءً العاکف فیہ والباد -

ساری دنیا کے مسلمانوں کے حقوق بیت اللہ میں مساوی ہیں - ایسا نہیں ہے کہ مقامی آبادی کے حقوق زیادہ ہوں اور باہر سے آنے والوں کا درجہ کم ہو - دن اور رات کے کسی حصہ میں ہر آدمی نماز و طواف کے لیے آزاد ہے کوئی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی - کیا مکہ شہر میں بھی مقامی اور باہر سے آنے والوں کے حقوق یکساں ہیں ؟ اس کے متعلق امام ابو حنیفہ رح کا قول ہے کہ مکہ کے مکان کسی کی ملکیت نہیں ہیں - حضرت عمر رضؓ نے بھی حکم دے رکھا تھا کہ حج کے زمانہ میں کوئی شخص اپنے گھر کا دروازہ بند نہ کرے -

عبداللہ بن عمر رضؓ کا قول ہے کہ جو شخص مکہ کے مکانات کا کرایہ وصول کرتا ہے وہ اپنا پیٹ آگ سے بھرتا ہے -

عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ مکہ میں سب کے حقوق برابر ہیں مکہ والوں کو باہر والوں سے کرایہ لینے کا حق نہیں ہے بہر حال اکثر تابعین اور ائمہ میں سے امام مالکؒ ، امام ابو حنیفہ رح امام احمد بن حنبل رحؒ نے کہا ہے کہ مکہ کی زمین کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے - البتہ بعض نے عمارت کی حیثیت سے ان مکانوں کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیا ہے زمین کی بیع نہیں - یعنی زمین کے اوپر جو ملبہ وغیرہ ہے اس کو بیچا جا سکتا ہے لیکن مکانات کے متعلق اہل مکہ کو چاہیئے کہ حج کے موسم میں بقدر ضرورت جگہ کو روک لیں اور باقی خالی کر دیں - تاکہ حاجی

بلامعاوضہ استعمال کرسکیں۔ بُرا ہو انسان کے ذہنِ نفع غوری کا کہ آج کل مکہ کے لوگ حاجیوں کو کاروباری نظر سے دیکھتے ہیں اور ان سے زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اسی طرح بجائے رعایت کرنے کے مکانات کے کرائے بھی زیادہ سے زیادہ وصول کرتے ہیں۔

مساجد پر کوئی پابندی نہیں لگانی چاہیئے۔ مسجد ہر آدمی کے لیے کھلی رہنی چاہیئے۔ قرآن کہتا ہے کہ

"اس شخص سے زیادہ کوئی اور ظالم نہیں ہو سکتا جو مسجد کی آبادی کی راہ میں حائل ہو اور لوگوں کو مساجد میں آنے سے روکے اور ادائیگی نماز کے راستہ میں رکاوٹ بنے"

عقیل بن ابی طالب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد مکہ میں ان کے مکانات کو فروخت کر دیا تھا۔ فتح مکہ ... کے موقعہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بیع کو توڑا نہیں تھا بلکہ رہائش کے متعلق سوال کے جواب میں کہا تھا کہ کیا عقیل رض کوئی مکان چھوڑ گیا ہے کہ میں اس میں رہائش کروں ؟ — اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیع کا جواز ہے اس لیے جائز اور مناسب کرایہ پر بھی مکان دیا جاسکتا ہے امام بخاری بھی اسی خیال کے مؤید ہیں۔

وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ۔

اس سے مُراد کوئی خاص فعل نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ کام جو ظلم کی تعریف میں آتا ہو اور وہ گناہ ہو۔ راستی سے ہٹا ہوا ہو۔ گناہ ہر حال میں بُرا ہے لیکن حرم کے اندر اس کا ارتکاب اور بھی شدید گناہ ہے۔ مسجد حرام کی حرمت کے احکام خاص ہیں:۔

کسی آدمی کو حق نہیں ہے کہ حرم کے باہر کئے ہوئے قتل کا بدلہ حرم میں لے۔ حرم میں پناہ لینے والوں سے تعرض نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں جنگ وجدال حرام ہے بے دینی، کفر، شرک، مصنوعی قحط کا پیدا کرنا، گرانی، شکار کرنا، گری پڑی چیز کا اٹھانا، پرندوں اور جانوروں کو مارنا۔ قدرتی درختوں کو کاٹنا وغیرہ ایسے کام ہیں جن کے لیے عذاب الیم کی وعید سنائی گئی ہے۔ اللہ ہم سب کو محفوظ رکھے۔

سونیا مداخیل (صوبہ سرحد) کے مہاجرین کی دوبارہ آبادکاری

احباب جماعت کے لئے یہ خبر باعثِ مسرت ہوگی کہ علاقہ مداخیل کے موضع سونیا کی اہلحدیث جماعت جن کو تقریباً ایک سال قبل مسلکِ حق کی پاداش میں ۱۴ اگست ۱۹۸۵ء کو علاقہ بدر کر دیا گیا تھا۔ گھر جلائے اور مال و اسباب خاکستر کردیا تھا۔ ایک سال کی مسلسل دربدری کے بعد یکم اگست ۱۹۸۶ء کو علاقہ کے سرکردہ افراد نے موضع سونیا میں آباد ہونے کی دعوت دے دی۔ اس دوران جن احباب نے ان مہاجرین کی امداد کی ہم ان کے ممنون ہیں۔ چونکہ اب انہیں اپنے مکانات کو از سرِ نو آباد کرنے کا مسئلہ درپیش ہے۔ اس لیے جماعت کے مخیر احباب سے پرزور اپیل ہے کہ دل کھول کر ان کی مالی امداد کریں تاکہ یہ مظلوم جماعتی بھائی اپنے اجڑے ہوئے گھروں کو آباد کر سکیں۔

زرِ اعانت بھیجنے کا پتہ: تنظیم المساجد اکاؤنٹ ع ۳۰۹ حبیب بنک خیبر ٹیچنگ ہسپتال برانچ یونیورسٹی ٹاؤن پشاور

(خادم جماعت ابو عمر عبدالعزیز النورستانی مدیر الجامعۃ الاثریہ ص ب ۱۷۳ - جی پی او - پشاور)

تذکرہ علمائے اہلحدیث

محترم محمد عزیر۔ ایم اے۔ ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ

مولانا شمس الحق سلفی مرحوم

بڑے افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ مولانا شمس الحق سلفی ۲۵ شوال / ۳ جولائی کو بروز جمعرات پونے تین بجے شام کے وقت دربھنگہ میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ادھر کچھ دنوں سے وہ سینے میں تکلیف محسوس کر رہے تھے۔ علاج کے لیے انہیں گھر سے دربھنگہ لے جایا گیا۔ آخری دن شدید درد اٹھا جس سے جان بر نہ ہو سکے۔ وفات کے وقت ان کی عمر ستر سال سے متجاوز تھی۔ مولانا مرحوم کا شمار ہندوستان کے ممتاز علمائے اہل حدیث میں ہوتا ہے انہوں نے کم و بیش پچاس سال تک تعلیمی دعوتی اور اصلاحی خدمات انجام دیں۔ ذیل میں ان کے حالاتِ زندگی اور علمی و دینی خدمات کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

مرحوم ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء میں اپنے آبائی وطن بہار کے ایک گاؤں بلکٹوا ضلع مدھوبنی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا رضا اللہ علاقے کے جید علماء میں سے تھے انہوں نے اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لیے گھر ہی پہ ایک استاد مقرر کر رکھا تھا۔ مرحوم بھی ان ہی سے اردو، فارسی اور قرآن مجید پڑھتے رہے۔ کچھ ہوش سنبھالا تو علاقے ہی کے ایک مدرسہ "مدرسہ محمدیہ" (دلودھا) بھیج دیئے گئے جہاں مولانا عبدالوہاب دلودھاوی سے عربی پڑھنا شروع کیا۔ ایک عرصے تک وہاں زیرِ تعلیم رہنے کے بعد دارالعلوم احمدیہ سلفیہ (دربھنگہ) چلے آئے۔ یہاں مولانا علی اصغر چھپروی، مولانا عبدالغفور جیراج پوری، مولانا محمد اسحاق آروی اور مولینا محمد عثمان ازہری وغیرہم سے مختلف علوم و فنون کی تحصیل کی۔ آخر ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء میں فارغ ہوئے۔ فارغین کی تعداد اس سال سات افراد پر مشتمل تھی جنہیں ان کی علمی صلاحیت اور قابلیت کی بناء پر آج تک "سبعہ سیارہ" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مرحوم کے علاوہ ان کے ساتھیوں میں ڈاکٹر سید عبدالحفیظ مدظلہ، مولانا مصلح الدین جیراج پوری، مولانا عبدالخالق (راج شاہی) مولانا عبدالودود گیاوی، مولانا محمد زکریا دربھنگوی، قاری عرفان دمکاوی شامل تھے۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد مولانا کا خیال تھا کہ کہیں ملازمت کے بجائے آزادی کے ساتھ علاقے میں اصلاحی و تبلیغی کاموں کا سلسلہ شروع کریں۔ اور گذر بسر کے لئے تجارت کا پیشہ اختیار کریں۔ اس منصوبے کے تحت انہوں نے ایک ڈیڑھ سال تک گھر پہ قیام کیا اور اطراف و جوانب کا دورہ کرتے رہے۔ پھر لوگوں کے مشورے سے پنجاب یونیورسٹی (لاہور) سے "مولوی فاضل" کا امتحان دینے کی خاطر دہلی کا سفر کیا۔ وہاں ان کا قیام مسجد فتح پوری کے زیر اہتمام جاری مدرسہ میں رہا۔ جہاں طلبہ کو "مولوی فاضل" کے امتحان میں بیٹھنے کی تیاری کرائی جاتی تھی۔ مدرسے میں انہوں نے مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم سے خصوصی طور پر استفادہ کیا۔ ان کی زیر نگرانی عربی انشاء و ترجمے کی مشق کرتے رہے۔ استاد ان پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ مرحوم اپنے استاد سے متعلق بہت سی باتیں بیان کیا کرتے تھے۔ کئی بار انہوں نے ذکر کیا کہ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ "اس وقت ہندوستان میں عربی کے تین ہی ادیب ہیں۔ اور تینوں ہی وہابی! (۱) مولانا محمد سورتی (۲) مولانا عبدالعزیز میمن (۳) مولانا عبدالمجید حریری۔"

دہلی میں چند ماہ قیام کے بعد ان کا ارادہ ہوا کہ امتحان دینے کے بجائے گھر واپس چلے جائیں کیوں کہ ان ڈگریوں سے انہیں کوئی مطلب نہ تھا لیکن پھر اس خیال سے کہ کہیں لوگ انہیں بزدلی کا طعنہ نہ دیں۔ امتحان میں بیٹھنے کا عزم کیا اور ۱۹۳۸ء میں "مولوی فاضل" (آنرز ان عربک) کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا۔

وطن واپس آکر کئی سال تک اپنے بڑے بھائی مولانا عین الحق سلفی (م ۱۹۸۱ء) کے ساتھ مل کر ترائی نیپال کے اس علاقہ میں جو آپ کے مولد و منشاء سے قریب ہے۔ دعوتی و اصلاحی کام کرتے رہے۔ یہ علاقہ اس زمانے میں شعائر اسلام سے بالکل ہی نابلد تھا۔ جہالت کے باعث طرح طرح کے ہندوانہ رسوم اور مشرکانہ اعمال لوگوں کے اندر رائج تھے۔ ایک مسلم اور غیر مسلم کے درمیان نام کے علاوہ اور کوئی ظاہری فرق نہ تھا۔ ان حالات کے پیش نظر دونوں بھائیوں نے ضروری سمجھا کہ سب سے پہلے اپنے علاقے کی خبر لیں اور چونکہ اس علاقے میں ان کا خاندان ہمیشہ سے بڑا محترم اور باعزت شمار ہوتا چلا آیا ہے۔ اور بغیر ان کی شرکت کے کسی دنیاوی یا دینی معاملہ کا فیصلہ نہیں ہو پاتا۔ اس لئے اس بات کی قوی اُمید تھی کہ ان کی کوشش سے وہاں کے حالات سدھر جائیں گے۔ الحمد للہ ایک مدت تک ان کی دعوت و تبلیغ کا اثر یہ ہوا کہ وہاں کا نقشہ بدل گیا۔ جگہ جگہ انہوں نے دینی مدارس قائم کئے۔ بے شمار مسجدیں تعمیر کرائیں۔ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ اس سلسلے میں انہیں طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ بہت سے مواقع پر ان کا بائیکاٹ ہوا۔ کئی مقدمے بھی چلائے گئے۔ طرح طرح کی دھمکیاں دی گئیں۔ لیکن دونوں بھائی اپنے مشن پر لگے رہے۔ بالآخر لوگوں کی عداوتیں دن بہ دن سرد پڑتی گئیں اور خدا کے فضل و کرم سے دونوں اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔

علاقے میں ایک مدت تک دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں میں مشغول رہنے کے بعد چند سال دار العلوم احمدیہ سلفیہ (دربھنگہ بہار) میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ وہاں ان کا قیام ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء سے ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء تک رہا۔ پھر مولانا محمد عفان سلفی کی طلب پر مدرسہ نجم الہدیٰ (آمتلہ۔ مرشد آباد) (بنگال) چلے گئے۔ جہاں دس سال تک مسلسل درس و تدریس کا کام کرتے رہے۔ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء میں مدرسہ اسلامیہ (صالح ڈانگہ۔ مرشد آباد) (بنگال) چلے آئے۔ وہاں سے ایک سال کے بعد ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء میں مدرسہ فیض عام (مئو۔ اعظم گڑھ) (یو۔پی) منتقل ہو گئے۔ جہاں مسلسل دس سال تک تدریسی و دعوتی فرائض انجام دیتے رہے۔ اس عرصے میں ان سے سیکڑوں طلبہ مستفید ہوئے۔ اور تبلیغی جلسوں میں برابر شرکت کی وجہ سے عوام و خواص کے درمیان ان کی شہرت اور مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا۔ مدرسہ میں شیخ الحدیث ہونے کے ساتھ ساتھ افتاء کا کام بھی ان کے ذمہ رہا۔ چھوٹے بڑے کئی سو فتاوے تحریر کئے۔ جن میں سے بعض مئو ہی میں طبع بھی ہوئے۔ مئو میں قیام کے دوران ہی سے ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء میں پہلی بار حج بیت اللہ کے لئے گئے۔ جہاں حرمین کی زیارت کے علاوہ وہاں کے علماء و فضلاء سے ملاقاتیں کیں۔ دوسری بار ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء میں پھر حج کو گئے اور مرض و نقاہت کے باوجود تمام ارکان خود ادا کئے۔ اور بسلامت واپس آئے۔

مئو میں ایک طویل عرصے تک قیام کے بعد ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء کے تعلیمی سال کے دوران مستعفی ہو کر اپنے وطن چلے آئے۔ پھر دار العلوم احمدیہ سلفیہ (دربھنگہ) (بہار) کے منتظمین کی طلب پر درمیان سال ہی میں اپنے مادر علمی میں دوسری بار بحیثیت استاذ و شیخ الحدیث چلے آئے۔ اس مرتبہ تقریباً ڈیڑھ سال وہاں رہے۔ ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء میں نئے تعلیمی سال کے شروع میں پھر بنگال والوں کے اصرار

پر مدرسہ دارالحدیث (بیل ڈانگہ ۔ مرشد آباد) (مغربی بنگال) چلے گئے ۔ جہاں ایک سال رہ کر ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء میں مرکزی دارالعلوم (حال، جامعہ سلفیہ) (بنارس) بحیثیت شیخ الحدیث چلے آئے ۔ اور ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء تک مسلسل ۱۴ سال یہیں درس وتدریس، افتاء اور دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے ۔ آخری دو سالوں میں وہ صرف دعوت وتبلیغ کے ہو کر رہ گئے تھے ۔ اس سلسلے میں انہوں نے بہت سے علاقوں کا دورہ کیا اور حسبِ ضرورت وہاں اصلاح کا کام کرتے رہے ۔ بعض مقامات پر منکرینِ حدیث اور بتدعین سے مناظرے بھی کرنے پڑے جن میں سے بعض کی تفصیل کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہے ۔

اس عرصے میں ان کا ایک اہم کارنامہ نیپال کے شہر جنک پور میں "جامعہ سلفیہ" کی تاسیس ہے جو ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء میں دونوں بھائیوں (مولانا عین الحق و شمس الحق) کی کوشش سے عمل میں آئی ۔ گزشتہ سطور میں نیپال کے اس علاقے میں دونوں بھائیوں کی دعوتی سرگرمیوں کا مختصر تذکرہ آچکا ہے ۔ وہاں عرصے سے ایک مرکزی تعلیمی ادارے کے قیام کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، جہاں اعلیٰ دینی تعلیم کا انتظام ہو ۔ اس سے قبل ان دونوں نے اگرچہ بہت سی بستیوں میں چھوٹے چھوٹے مکاتب و مدارس کا ایک جال بچھا دیا تھا جہاں مقامی طور پر کسی حد تک ابتدائی تعلیم کا نظم ہو جاتا تھا ۔ مگر غریب و نادار بچوں کے لئے عربی تعلیم کی خاطر ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے مختلف مدارس کا سفر کرنا بہت دشوار تھا ۔ ان حالات کے پیشِ نظر جامعہ سلفیہ کا قیام عمل میں آیا ۔ جس کا نام پہلے مولانا مرحوم کے نام کی مناسبت سے "شمس الہدیٰ" رکھا گیا ۔ پھر ایک عرصے کے بعد اسے جامعہ سلفیہ سے بدل دیا گیا ۔

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے مرحوم "جامعہ سلفیہ" (بنارس) میں قیام کے آخری دو سال (۱۹۸۲ - ۱۹۸۳ء) شعبہ تبلیغ سے منسلک رہے ۔ نتیجۃً انہیں مسلسل سفر میں رہنا پڑا ۔ جس کا ان کی صحت پر اثر پڑنا اس عمر میں لازمی تھا ۔ ایک بار میڈیکل چیک اپ کرایا ۔ معلوم ہوا کہ ہائی بلڈ پریشر اور بلڈ شوگر کی شکایت ہے ۔ چنانچہ کھانے میں نمک چینی وغیرہ سے مکمل پرہیز کرنے لگے ، مگر اس کے بعد بھی تبلیغی سفر کرتے رہے ۔

جامعہ سلفیہ (جنک پور) کے تعلیمی اور انتظامی امور سے بھی ان کو اتنی دلچسپی رہتی کہ تعطیل کے ایام اس کی نذر ہو جاتے موسم خواہ کتنا ہی خراب کیوں نہ ہو ۔ کسی نہ کسی طرح گھر سے نکل کر جامعہ پہنچ جاتے ۔ اس سلسلے میں انہیں بعض مرتبہ تکلیف بھی برداشت کرنی پڑتی ۔ ایسی ہی ایک میٹنگ سے ۱۹۸۳ء میں گھر واپس آرہے تھے کہ راستے میں ان پر فالج کا کچھ اثر محسوس ہوا ۔ فوراً ہی ڈاکٹر سے رجوع کیا گیا ۔ مگر اس وقت تک وہ آثار زائل ہو چکے تھے ۔ دوسرے دن صبح گھر پہ فالج کا حملہ ہوا ۔ گویائی بند ہو گئی اور جسم کا داہنا حصہ متاثر ہوا ۔ فوراً ہی انہیں دربھنگہ ، پھر دہلی لے جایا گیا ۔ جہاں علاج کے بعد خود سے چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے ۔ گفتگو بھی رک رک کر بآسانی کرنے لگے ۔ ان کی تمام باتیں سمجھ میں آجاتی تھیں ۔ گھر آنے کے بعد حالت کچھ اور بہتر ہو گئی ۔ سے مناسب سمجھا گیا کہ اب وہ یہیں رہیں کہ ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کی جا سکے ۔ ان آخری تین سالوں میں ان کا معمول تھا کہ صبح و شام کھلی ہوا میں سیر و تفریح کیا کرتے ۔ مقررہ اوقات پہ پرہیزی غذا کھاتے ۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ضرورت کے تحت کسی شہر یا گاؤں کا سفر بھی کیا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں کسی کی محتاجی محسوس نہ کرتے ۔ منع کرنے کے باوجود آخری رمضان کے بھی انہوں نے تمام روزے رکھے ۔ آخر تک ان کی صحت معمول کے مطابق رہی ۔ ادھر کچھ دنوں سے انہیں سینے میں کبھی کبھی درد ہونے لگتا تھا ، جس کی وجہ سے وہ کافی تکلیف محسوس کرتے تھے ۔ علاج سے کچھ افاقہ ہوا ، مگر آخری دن (۳ جولائی کو) جب انہیں

درد شروع ہوا تو اس سے جانبر نہ ہوسکے۔

جیسا کہ گذشتہ سطور سے واضح ہے، مولانا مرحوم ساری زندگی درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ میں ہمہ تن مشغول رہے۔ فراغت (۱۹۳۶ء) کے بعد سے اب تک لگ بھگ پچاس سال بہار، بنگال اور یو۔پی کے چھ سات مدارس میں بحیثیت استاذ و شیخ الحدیث کام کرتے رہے۔ اس طویل عرصے میں ان سے سینکڑوں طلبہ مستفید ہوئے۔ جو ملک کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں بلکہ ان کی ایک کثیر تعداد بیرون ملک بھی اپنے علمی اور دعوتی کاموں میں مصروف ہے اس وقت اکثر اہل حدیث اداروں میں ان کے تلامذہ نظر آجائیں گے بلکہ بعض ادارے تو ان کے تلامذہ ہی سے آباد ہیں۔ یہاں ان کی ایک مختصر فہرست بھی پیش کرنا غیر مفید ہوگا۔ اس لئے اس سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے۔

مرحوم جہاں بھی رہے دیگر فنون کے ساتھ حدیث کی اونچی کتابوں کا درس دیتے رہے۔ صحیح بخاری غالباً انہوں نے چالیس بیالیس بار پڑھائی ہوگی۔ حدیث کی تدریس کے وقت وہ زیادہ تقریر کے عادی نہ تھے۔ صرف مشکل مقامات پر تنبیہ فرماتے یا طلبہ کے سوالات کے جواب دیتے۔ امام بخاری سے انہیں بڑی عقیدت تھی۔ درس کے دوران مختلف مناسبتوں میں وہ امام بخاری کی فقاہت اور ان کی کتاب کی خصوصیات بیان فرماتے۔ "فتح الباری" برابر ان کے زیر مطالعہ ہوتی۔ "عمدۃ القاری" (عینی) اور دیگر شروح کی طرف بہت کم رجوع کرتے۔

مولانا نے حدیث کی کتابیں چار اساتذہ سے پڑھی تھیں۔ جو میاں نذیر حسین محدث (دہلوی) (م ۱۳۲۰ھ) کے شاگرد ہیں۔ ان میں سے دو مولانا عبد الغفور جیراج پوری (م ۱۳۷۱ھ) اور مولانا محمد اسحاق آروی (م ۱۳۶۹ھ) سے دربھنگہ "سبقاً" "سبقاً" کتب حدیث پڑھیں۔ باقی دو مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی (م ۱۳۶۲ھ) اور مولانا شرف الدین دہلوی (م ۱۳۸۱ھ) سے زمانۂ قیام دہلی میں کتب حدیث کے اطراف پڑھ کر سند اجازت حاصل کی تھی غالباً ان محدثین عظام سے تلمذ کا اثر تھا کہ ساری زندگی ان کا سب سے محبوب مشغلہ حدیث پڑھنا پڑھانا رہا۔ دوسرے فنون کی بھی اگرچہ وہ برابر تعلیم دیتے رہے مگر انہیں ہمیشہ ثانوی اہمیت دیتے تھے۔

مولانا جہاں بھی گئے تدریس کے علاوہ ان کے ذمے فتویٰ نویسی یا فتاوی پر نظر ثانی اور ان کی تصدیق کا کام بھی ساتھ رہا۔ جسے وہ دیگر اوقات میں انجام دیا کرتے تھے۔ جامعہ سلفیہ (بنارس) میں مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی مرحوم (م ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء) کی وفات تک یہ معمول رہا کہ مولانا آزاد مرحوم عموماً جواب لکھا کرتے اور مولانا شمس الحق اس پر نظر ثانی اور اس کی تائید و توثیق کرتے یا کبھی کبھی وضاحتی یا اختلافی نوٹ لکھتے۔ بہت سے فتاوی خود مولانا شمس الحق کے تحریر کردہ بھی ہوتے۔ ان سب کی نقل جامعہ سلفیہ میں اب تک محفوظ ہے۔ دوسرے مدارس میں جہاں مولانا کا قیام رہا۔ فتاوی کی نقل رکھنے کا دستور نہ تھا اس لئے ان کی تعداد کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اندازاً یہ سینکڑوں کی تعداد میں ہوں گے۔

فتاویٰ کے علاوہ مولانا نے بہت کم ہی کچھ لکھا ہے۔ اگرچہ ان کے بعض مضامین "الہدیٰ" (دربھنگہ) اور میگزین مدرسہ فیض عام (مئو) وغیرہ میں شائع ہوئے۔ مگر باقاعدہ تصنیف و تالیف کے میدان میں وہ داخل نہ ہوئے۔ البتہ صرف ایک کتاب جس کے لئے انہوں نے کافی مواد اکٹھا کر لیا تھا۔ اور مئو کے زمانۂ قیام میں اس کا اچھا خاصہ حصہ لکھ بھی چکے تھے۔ اس عموم سے مستثنیٰ کی جاسکتی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے مولوی احمد رضا بجنوری حنفی کی "مقدمۂ انوار الباری" (جلد اول) کا علمی و تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ اور محدثین کے بارے میں عموماً اور امام بخاری سے متعلق خصوصاً مؤلف کی غلط بیانیوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ اس کتاب کا تالیف شدہ حصہ بنارس میں موجود تھا مگر فی الحال ان کے مسودات اور کاغذات کے اندر نظر

نہ آیا۔ معلوم نہیں اب وہ کہاں دبا پڑا ہے۔؟ اسی موضوع پر مولانا مرحوم کے بعد مولانا رئیس احمد ندوی نے قلم اٹھایا۔ ان کی کتاب "اللمحات" کے نام سے دو جلدوں میں بنارس سے شائع ہو چکی ہے۔ ممکن ہے انہیں مولانا کے مسودے سے متعلق کچھ علم ہو۔

مولانا مرحوم کی تعظیم و تکریم علماء اور طلباء جتنا ان کی علمی صلاحیت اور تدریسی قابلیت کی وجہ سے کیا کرتے تھے۔ عوام اس سے زیادہ ان کے وعظ و تقریر سے متاثر تھے۔ جہاں بھی رہتے جمعہ کا خطبہ پابندی کے ساتھ کسی نہ کسی مسجد میں دیا کرتے اس کے علاوہ مختلف جلسوں میں شرکت کے لئے دور دور سے بلائے جاتے خصوصاً تعلیمی سال کے اخیر میں اتنے مقامات سے طلب آتی کہ ہر جگہ جانا محال ہوتا۔ ان کے عقیدت مندوں کی ایک کثیر تعداد بنگال، بہار، یو، پی اور دیگر صوبوں میں موجود ہے۔ ان کی تقریر کا ایک مخصوص انداز ہوتا۔ شروع میں وہ بہت ہی پست آواز میں ٹھہر ٹھہر کر بولتے پھر جوں جوں آگے بڑھتے، بیان میں روانی اور آواز میں بلندی آتی جاتی، یہاں تک کہ بعض اوقات انتہائی جوش کے عالم میں تھوڑا گرجتے برستے۔ اس وقت ان کا چہرہ بالکل سرخ ہو جاتا۔ پھر موڑ لیتے اور کبھی جہنم یا موت یا قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر اس طرح کرتے کہ خود ان پر اور دوسروں پر رقت طاری ہو جاتی۔ تقریر میں ہنسنا ہنسانا ان کی عادت نہ تھی اور نہ ہی بے سر و پا قصے سنانا ہمیشہ قرآنی آیات، احادیث اور صحابۂ کرام کے مستند واقعات کا سہارا لیتے اور انہیں مؤثر انداز میں پیش کرتے۔ تقریر میں کسی فرقے یا شخصیت پر زبانِ طعن دراز نہ کرتے اور نہ ہی ہمہ دانی کا دعویٰ کرتے ہوئے دوسروں کی تحقیر و تذلیل کرتے۔ ایک بات یہ بھی برابر دیکھنے میں آئی کہ کبھی بھی کسی تقریر کے لیے پہلے سے کوئی تیاری نہ کرتے۔ اور کسی بھی موضوع کے لیے جتنا بھی وقت دیا جاتا اس کے اندر ہی اندر اپنی تقریر سمیٹ لیتے، بلکہ اخیر میں

ساری گفتگو کا خلاصہ بھی مختصر الفاظ میں بیان کر دیتے۔

ان کے اخلاق و عادات اور دیگر اوصاف و کمالات کا ذکر آئندہ کسی دوسرے موقع پر کیا جائے گا۔ یہاں ان کے زہد و عبادت کا ایک پہلو جو عموماً لوگوں کی نظروں سے مخفی ہے۔ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جب تک صحت مند رہے۔ ہمیشہ تہجد گزار نظر آئے۔ ان کی عادت تھی کہ عشاء کے بعد فوراً سو جایا کرتے۔ سحر کے وقت اٹھتے۔ اور ضروریات سے فارغ ہو کر تہجد کی نماز ادا کرتے۔ اس میں قراءت کے دوران یاد عاء کرتے ہوئے ان کی ہچکیاں بندھ جایا کرتی تھیں۔ کبھی کبھی ہم لوگوں کی آنکھیں اس اثناء میں کھل جاتیں تو ہم یہ منظر دیکھ کر بہت متاثر ہوتے۔ تہجد سے فارغ ہو کر اگر فجر کی اذان تک کچھ وقت ہوتا تو آرام کرنے کے بجائے کسی کتاب کا مطالعہ کرتے۔ پھر اذان کے بعد نماز کے لیے لوگوں کو اٹھاتے ہوئے نکلتے۔ عموماً جہاں بھی رہے ان ہی کے ذمے امامت بھی رہی۔ فجر کی نماز میں مفصل کی دو لمبی سورتیں ٹھہر ٹھہر کر بلند آواز میں پڑھتے۔ رکوع، سجدے اور قیام بھی نسبتاً طویل ہوتے۔ دوسری نمازوں میں قراءت اور دیگر امور میں سنت نبوی کا اتباع کرتے۔ ان کی سیاسی و سماجی خدمات کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔ مختصراً اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ وہ نظریاتی طور پر کانگریس کے حامی تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے انہیں بڑی عقیدت تھی۔ ان سے ملاقات کی غرض سے سفر بھی کیا تھا

اپنے علاقے میں سماجی فلاح و بہبود کی خاطر بھی برابر کام کرتے رہے۔ مختلف نزاعات کے فیصلے اور دنیاوی معاملات کے سلسلے میں لوگ ان کی طرف رجوع کرتے اور انہیں حَکم متعین کرتے تھے۔ ان کے اور ان کے خاندان والوں پر لوگوں کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ بہت سے ہندوؤں تک نے اپنی زمینیں حفاظت کے خیال سے ان ہی کے نام رجسٹری کر دی تھیں اور اس سلسلے کے تمام کاغذات

بھی بطور امانت ان ہی کے پاس رکھ چھوڑے تھے جو ان کی امانت سمیت ایک زمانے کے بعد اصل مالکوں کے حوالے کر دی گئیں۔

اپنی بستی اور اس کے اطراف میں لوگوں کو تعلیم کی طرف توجہ دلائی، کتنے افراد ایسے ہیں جنہیں اپنے ساتھ لے گئے اور اپنے خرچ پر انہیں پڑھانے لکھانے کا انتظام کیا۔ بہتوں کو مدارس میں وظیفے دلائے۔ ان کے بھائی اور ان کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ان کی چھوٹی سی بستی اب بھی تعلیم کے اعتبار سے اطراف و جوانب کی تمام بستیوں سے ممتاز ہے۔

اخیر میں ان کے خاندان اور عائلی زندگی سے متعلق مختصراً تذکرہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے

ان کے سلسلہ نسب میں سات پشت اوپر تک آباء و اجداد کے نام معلوم ہیں جو ایک عرصہ سے اس چھوٹی سی بستی (ملکٹوا) جسے "در بن" یعنی جنگل کاٹ کر بسایا گیا تھا) میں آباد چلے آئے ہیں۔ آبائی پیشہ زمینداری اور کاشت کاری تھا۔ خاندان میں سب سے پہلے ان کے والد مولانا رضاء اللہ نے دینی تعلیم حاصل کی اور علاقے میں دعوتی اور اصلاحی کاموں کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے چار لڑکے تھے۔ سب سے بڑے مولانا عین الحق سلفی (م ۱۹۸۱ء) جو عرصے تک دارالعلوم احمدیہ سلفیہ میں مدرس رہے۔ اور ایک زمانے میں جمعیت اہل حدیث صوبہ بہار کے سکرٹری بھی مقرر ہوئے۔ عبدالحق (مرحوم ہو چکے ہیں) (۳) ذکاء اللہ (ابھی بقید حیات ہیں) یہ دونوں بستی ہی میں کاشت کاری کرتے رہے (۴) مولانا شمس الحق اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں۔ جن سے سات لڑکیاں اور پانچ لڑکے موجود ہیں۔ لڑکوں کے نام علی الترتیب یہ ہیں۔

(۱) زبیر انور۔ ایم۔ اے (علیگ) جو جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے اسکول آف سوشل سائنسز میں کام کر رہے ہیں۔ (۲) راقم الحروف محمد عزیر ایم اے (مکہ) جو فی الحال ام القریٰ یونیورسٹی (مکہ مکرمہ) کے شعبۂ عربی میں ریسرچ اسکالر ہے۔ (۳) محمد عمیر، بی اے (مدینہ) جو آج کل جامعہ سلفیہ جنک پور (نیپال) میں مدرس ہیں (۴) محمد زبیر جامعہ سلفیہ (جنک پور) کا طالب علم ہے (۵) محمد نمیر جامعہ سلفیہ (بنارس) میں عالم سال دوم میں پڑھ رہا ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت کرے اور انہیں ان کی خدمات کے صلے میں جنت نصیب فرمائے۔ اور ان کے اخلاف کو بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین

مولانا کے لئے دعائے صحت

شیخنا المکرم حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ تعالیٰ مسلسل صاحب فراش ہیں نقاہت بدستور ہے۔ قارئین کرام خلوص قلب سے ان کی صحت کاملہ کے لیے دعائیں جاری رکھیں (ادارہ)

تحریر: پروفیسر محمد یحییٰ صاحب انجینئرنگ یونیورسٹی۔ لاہور

عورت اور مرد میں مساوات کے متعلق اسلام کا نظریہ

موجودہ دور میں جنسی مساوات اور آزادی نسواں پر بڑے بڑے مضمون قلم بند کئے جا رہے ہیں۔ ذرائع ابلاغ سے جنسی مساوات کی خوب تشہیر کی جا رہی ہے اور وہ لوگ جو عورت کو کچھ حدود کے اندر آزادی دینا چاہتے ہیں ان کو رجعت پسند، قدامت پسند اور تنگ نظری کے طعنوں سے نوازا جاتا ہے اور شریعت محمدیہ سے سیاق و سباق کو کاٹ کر عورتوں کی شرعی آزادی کے لیے دلیلیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالی جاتی ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت نے آزادی نسواں کی کیا حدود متعین کی ہیں۔

عورتوں کی شرعی آزادی کے یہ معنی نہیں کہ وہ ان حدود سے جو فطرت اور مذہب نے ان کے لیے مقرر کی ہیں تجاوز کر جائیں اور نہ یہ کہ عورتیں مردوں کے پہلو بہ پہلو اس کے کام میں برابر کی شریک ہوں اور میدانِ حیات میں اس کا دست و بازو بننے کی بجائے اس کی مدِ مقابل بنیں۔ اگر جسمانی لحاظ سے دیکھا جائے تو عورت اور مرد میں بڑا قدرتی فرق ہے۔ اس کا اثر دونوں کے کاموں پر پڑنا ضروری اور فطری امر ہے۔ مرد زندگی کی کش مکش میں اپنے زورِ بازو اور جسمانی صلاحیتوں سے کام لیتا ہے اور عورت کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی سرتاپا مہر و الفت بے غرض نیاز اور جذبۂ ایثار سے کارزار عالم میں مرد کے ڈھارس بندھائے اور زمانہ کے سرد و گرم میں اس کی شکستہ آرزوؤں اور ٹوٹے ہوئے دل کے لئے مرہم کا کام دے۔

عورت کا منتہائے نظریہ ہونا چاہیئے کہ وہ مرد کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کی بجائے اس کے دل پر حکومت کا نقش بٹھائے اور مرد زندگی میں جب کسی مونس رفیق، معاون دوست، مخلص مشیر، متاعِ طمانیت و شادمانی اور لطافتوں کے مرکز و محور کا طلب گار ہو تو اسے عورت کی آستان پر حاضر ہونا پڑے ان مقاصد کی تحصیل عورت کا نصب العین ہے اور اس کے لیے ضرورت ہے کہ عورت عورت ہی رہے۔ ورنہ "عورت" کے "مرد" بننے کے یہ معنی ہوں گے کہ زندگی مقابلہ اور ایک دوسرے کو پچھاڑنے کا نام رہ جائے گا اور اس میں لطافتوں اور معنوی احساسات کی پرورش کا کوئی امکان نہ رہے گا۔

عورت اپنی نسوانی صلاحیتوں کو باہر سے زیادہ گھر میں رہ کر پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتی ہے۔ اگر چاہے تو وہ گھر کی چار دیواری سے باہر کی دنیا کو اپنی من مانی راہ پر چلائے۔ وہ خاوند کے وفادار بیوی کی حیثیت سے اس کی خارجی اور داخلی زندگی پر اس قدر اثر ڈال سکتی ہے کہ غالب و مغلوب، حاکم و محکوم کا امتیاز یکسر نظر نہیں آسکتا۔ عورت امورِ خانہ داری کو انجام دینے سے مرد کی محکوم نہیں بنتی بلکہ اسے اس قابل بناتی ہے کہ وہ گھر سے باہر نکل سکے اور پھر عورت کا "ماں" کے خلعت مقدس سے سرفراز ہونا ایک ایسا مرتبہ ہے کہ انسانیت میں اس سے اعلیٰ ترین کوئی درجہ ہی نہیں۔

عورت کا معراجِ کمال یہ نہیں کہ وہ مسندِ وزارت پر جلوہ افروز ہو اور اس کی شعلہ بار تقریریں فضائے ملک میں گونجیں یا اس کے ناخنِ تدبیر سے سیاسی عقدے حل ہوں اور وہ فطری لطافت سے سیاست کی بھول بھلیوں میں

مخالف قوتوں کو دم دے کر خراجِ تحسین حاصل کرے۔ اس میں
شک نہیں کہ تاریخ میں اس قسم کی مثالیں موجود ہیں کہ عورتوں نے میدانِ
جنگ میں فوجوں کی قیادت کی اور نازک وقتوں میں اس کے سیاسی
تدبّر اور دانش مندی نے ملکوں کی قسمت کا فیصلہ کیا لیکن ان امور
کی استثنائی حیثیت ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عورتیں
گھر بار اور نسوانی مشاغل کو بالائے طاق رکھ دیں اور سیاسی
رزمگاہوں اور زندگی کی کش مکشوں میں دادِ شجاعت دیتی پھریں۔
عورت کا "ماں" ہونا اس کے ماہر سیاست دان ہونے سے
انسانیت کے لئے زیادہ مفید اور بابرکت ہے۔

قوم کی اجتماعی زندگی کا مسئلہ اتنا پیچیدہ اور اہم ہے
کہ اس کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے سرسری مطالعہ اور ظاہری حالات
مطلق کام نہیں دیتے۔ اس کے حسن و قبح پر رائے زنی سے قبل
مرد اور عورت کے فطری خصائص اور دونوں کی صلاحیتوں کا جاننا
ناگزیر ہے۔ اجتماعی زندگی میں افراد کی پرورش اور ان کو اجتماع کا
ایک مفید جزو بنانے کے لئے گھر یعنی خاندان کا سوال پیش آتا
ہے۔ ظاہر ہے کہ قوم افراد سے بنتی ہے اور افراد کی تربیت اس
کی ذہنی جسمانی اور اخلاقی نشو و نما میں گھر کا اثر سب سے زیادہ
ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کی خاندانی زندگی کا معمول تہ و بالا ہو جائے
اس کے برُے اثرات قوم کے وجود کو گھن کی طرح کھا جائیں گے۔
اصل میں خاندان قوم کا سنگِ بنیاد ہے اگر اس میں کوئی خرابی
پیدا ہو جائے تو پھر قوم کا خدا حافظ ہے۔

ہماری سوسائٹی میں قوم کی بناء خاندان پر رکھی گئی ہے۔
ہمیں عورت اور مرد کے حقوق، پردہ یا بے پردگی، اختلاطِ مرد و
زن، اخلاقی قوانین اور اس قسم کے دوسرے اجتماعی مسائل پر
بحث کرتے ہوئے اس امر کا خیال رکھنا ہوگا کہ خاندان کا استحکام
اور اس کو مضر اثرات سے بچانا ہمارے لئے سب سے مقدم
ہے اگر عورت کے کھلے بندوں پھرنے سے خاندانی زندگی کا امن و چین
خطرہ میں پڑتا ہے تو فرض ہے کہ سختی سے سخت پردہ پر مصر
ہوں اور قوم کو اخلاقی لغزش سے بچانے کے لئے بعض فروعی
نقصانوں کو خاطر میں نہ لائیں۔ اسلام خاندانی زندگی کا سب
سے بڑا محافظ ہے اور اسی کو پاک و صاف رکھنے کے لئے اس
نے عورتوں کی حرمت کے متعلق بعض قیود کا عائد کرنا مناسب سمجھا۔

لیکن فلاسفہ اجتماع کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو خاندان
کا سرے سے مخالف ہے۔ وہ افراد کو خاندان کی زنجیروں میں
جکڑنا نہیں چاہتے۔ ان کے خیال میں افراد کی تربیت اور اس
کی تنظیم ریاست یا حکومت کا کام ہے۔ حکومت جس طرح
چاہے ان کو پالے اور جو کام مناسب سمجھے ان سے لے، صاف
ظاہر ہے ایسے معاشرے میں باپ بیٹے اور ماں کے تعلقات
ہمارے ہاں کی طرح قابلِ اہمیت نہیں ہو سکتے۔ وہاں تو ماں
اور باپ کا فرض ہے کہ اولاد پیدا کریں۔ البتہ اس کی نگہداشت
حکومت کا کام ہے اور یہ تجربہ روس اور کمیونسٹ ممالک
میں ہو رہا ہے اس کے برعکس ——————

—— اسلام کا دعویٰ ہے کہ خاندانی زندگی کے لئے مردوں
اور عورتوں کا بے قید و بند اختلاط اور اجتماعی زندگی کی موجودہ
زمانہ کی طرح بدعنوانیاں سمِ قاتل ہیں۔ اور اس قسم کی بے راہ روی
قوم کو قعرِ مذلت میں لے جاتی ہے۔ بدقسمتی سے انسان جذبات
رنگین اور دل کش طرزِ حیات کی رَو میں جلد بہ جاتا ہے اس لئے
اسلام نے اس تخریب کے سدِّباب کے لئے اخلاقی قیود عائد
کردی ہیں۔ اور ان کا مقصد محض یہی ہے کہ مسلمان راہِ اعتدال
سے بھٹک کر افراط و تفریط کا شکار نہ ہو جائیں۔

اسلام عورتوں کو چار دیواری کے اندر بند کرنے کا
حامی نہیں اگر یہ ہوتا تو خلافتِ راشدہ کے مبارک عہد میں
مسلمان عورتیں شام، عراق، مصر اور افریقہ کے ممالک میں
اپنے خاوندوں اور بھائیوں کے ساتھ رفیقِ سفر اور شریکِ رزم

نہ ہو سکتیں۔ اور عرب قوم بے آب و گیاہ صحرا کی محدود حدود سے باہر نکل کر قیصر و کسریٰ کی وارث نہ ہوتی۔ لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ عورت کھلے بندوں سڑکوں اور بازاروں، قہوہ خانوں اور باغات میں دندناتی پھرے اور بے عنانی کی حد یہاں تک پہنچ جائے کہ ایک انگریز عورت کے قول کے مطابق آج کی لڑکیاں اپنے والدین کے گھروں کو ہوٹل سمجھنے لگ جائیں اور جب ان کے جی میں آئے گھر کا رُخ کریں۔

اسلام ہر معاملہ میں افراط و تفریط کا مخالف ہے۔ وہ مادی اور روحانی زندگی میں اعتدال قائم کرنا چاہتا ہے۔ عورتوں کی اجتماعی حیثیت میں بھی اس کی یہی رائے ہے۔ اسلام نے عورتوں کو نکاح و طلاق میں برابر کا ساتھی بنایا۔ انہیں حق ہے کہ اپنی جائداد کو جس طرح چاہیں رکھیں۔ خاوند اس کا مجاز نہیں کہ وہ بیوی کے مال کو غصب کر سکے۔ عورتوں پر اگر مردوں کے حقوق ہیں تو مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق عائد کئے گئے ہیں۔ اور رسول اکرم نے بہترین وہ شخص قرار دیا ہے، جو اپنے گھر والوں کے ساتھ حسنِ خلق سے پیش آئے۔

نیز جو اخلاقی قیود عورتوں پر واجب ہیں وہ مردوں پر بھی ہیں۔ شرم و حیا اور قوانین اخلاق کی پابندی دونوں پر فرض ہے لیکن عورت کے نفقہ کا ذمہ دار مرد بنایا گیا ہے اس لیے ایک حد تک مرد کو عورتوں کی ذمہ داری دی گئی ہے۔ اسلام کے نزدیک اگر عورت مجبور ہو تو وہ دائرۂ ادب میں رہ کر کسبِ معاش کر سکتی ہے اور اسے حق حاصل ہے کہ وہ تجارت کرے۔ اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالے لیکن یہ سب باتیں مجبوری کی ہیں۔

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ عورت گھر بار سنبھالے اور مرد کے ساتھ رفیقۂ حیات بن کر خاندانی زندگی کی بنیاد رکھے اور قوم کو بہتر افراد مہیا کرے۔ موجودہ آزادیٔ نسواں کی بے راہ روی اسلام کے نزدیک گناہ اور کفر ہے۔ کیونکہ اس کے ارتکاب کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قوم کا سر رشتہ پراگندہ ہو اور اخلاقی بدعنوانیوں سے اس کی جسمانی اور روحانی قوتوں میں زوال آجائے۔

مسلمان اربابِ فکر کا فرض ہے کہ وہ آزادیٔ نسواں کے مسئلہ پر غور و خوض کرتے وقت افراط و تفریط سے بچیں اور اسلامی احکام اور اس کی روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے موجودہ زمانے کی ضروریات کو نظر انداز نہ کریں۔ اور دیکھیں کہ وہ کس طرح اپنی خاندانی زندگی کو عہدِ حاضر کے سیلاب سے محفوظ رکھ سکتے ہیں اور اس کے ساتھ زندگی کی دوڑ میں دوسری قوموں سے پیچھے بھی نہیں رہتے۔

اطلاعات و اعلانات

پروگرام خطبات جمعۃ المبارک

جامع مسجد رحمانیہ اہلحدیث لالہ موسیٰ ضلع گجرات

۲۹۔ اگست: حضرت مولانا عبدالکریم اثری ۔ گجرات

۵ ستمبر: مولانا پروفیسر سید جعفر حسین شاہ صاحب گوجرانوالہ کالج

(مولانا) عبدالواحد سلفی لالہ موسیٰ ضلع گجرات)

آؤ بڑے پیر صاحب سے پوچھیں

مفکر جماعت، صاحب طرز اہل قلم مولانا حکیم عبدالرحمن خلیق کی تازہ تصنیف "آؤ بڑے پیر صاحب سے پوچھیں" ۷۰ پیسے بطور محصول ڈاک بھیج کر مفت طلب کریں۔ یہ مسائل کی کہانی حضرت عبدالقادر جیلانی رح کی زبانی آپ کی بیشتر فکری الجھنیں ختم کردے گی (سیکرٹری نشر و اشاعت جمعیۃ شبان اہلحدیث بدوملہی ضلع سیالکوٹ)

چوری کے متعلق قانونِ الٰہی اور قانونِ حنفی

جلد ہذا کے شمارہ ۲۸ میں حافظ عبدالسلام صاحب بھٹوی مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ کی تصنیف "چوری کے متعلق قانونِ الٰہی اور قانونِ حنفی" پر تبصرے میں قیمت اس لئے نہیں لکھی گئی کہ کتاب میں درج نہیں تھی، لہٰذا اطلاعاً عرض ہے کہ مذکورہ کتاب کی قیمت دس روپے علاوہ محصول ڈاک ہے۔

ملنے کا پتہ

المکتبۃ المحمدیہ سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

تبلیغی لٹریچر

(۱) حضرت سعد بن ابی وقاص، ذوالنورین، اور دیگر کتب (جملہ گیارہ کتابیں) صرف اشاعت فنڈ ۱۵ روپے اور بذریعہ رجسٹری طلب کرنے والے ۲۰ روپے بھیج کر منگوا سکتے ہیں (محمد اسلم عظیم ناظم اعلیٰ اہل حدیث لائبریری چونیاں ضلع قصور)

(۲) ایک تبلیغی اشتہار "داڑھی" ایک اسلامی شعار (حکم) ۸۰ پیسے کا ٹکٹ بھیج کر مفت حاصل کیجئے۔

ملنے کا پتہ (مرزا عبدالرحمن ناظم تعمیرات مساجد اہل حدیث صوبہ سرحد مکان نمبر ۳۹۸۰ محلہ کوٹلہ فیل باناں کریم پورہ پشاور شہر

سلفیہ رائٹرنگ ڈاکٹرز

شرک و بدعت اور تقلید جامد کے اس پُرفتن دور میں خالص قرآن و سنت کی ترویج و اشاعت کی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے سلفی العقیدہ ڈاکٹرز حضرات نے ایک تنظیم "سلفیہ رائٹرنگ ڈاکٹرز" کے نام سے قائم کی ہے اس تنظیم نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز "ترجمہ قرآن کلاس" سے کردیا ہے۔ تمام احباب سے پُرخلوص دعاؤں کی التماس ہے (عبدالوارث امیر سلفیہ رائٹرنگ ڈاکٹرز علامہ اقبال میڈیکل کالج۔ لاہور)

ضرورتِ رشتہ

ایک اہلحدیث مسلک کی خوب سیرت، خوبصورت پابندِ صوم و صلوٰۃ، تعلیم یافتہ دوشیزہ عمر ۲۲ سال کے لئے نیک سیرت اہل حدیث یا دیوبندی مسلک کے کاروباری یا ملازمت پیشہ شریف خاندان کے نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔ رابطہ کے لئے

(م۔ ر۔ ز۔ پوسٹ بکس ۲۰۳۴ لاہور)

بقیہ • درسِ حدیث

نایا ہے۔ اپنی قدر و منزلت گرانا اُسے زیب نہیں دیتا۔ اس
حضور کے ساتھ وہ اپنے نفس پر جبر کرے اور آہستہ آہستہ اُس کی
بیت کرتا رہے اور اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ آیا یہ
خالق و مالک کی رضامندی کے لئے ہے یا ناراضگی کے لیے؟
ر رضامندی کے لئے ہے تو جائز ہے ورنہ حرام ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کو فرو کرنے کے لئے
قیمتی ارشادات فرمائے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ "غصہ شیطان
سے ہے اور شیطان آگ سے بنا ہے اور آگ کو پانی ٹھنڈا کرتا ہے۔
جس کو غصہ آئے اُس کو چاہیئے کہ وضو کرلے"

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
جس کو غصہ آئے، وہ اگر کھڑا ہے تو چاہیئے کہ وہ بیٹھ جائے۔ اگر
پھر بھی غصہ کم نہ ہو تو چاہیئے کہ وہ لیٹ جائے۔ اگر اس سے بھی
ٹھنڈا نہ ہو تو وضو کرلے کے بعد جبینِ نیاز کو ربِ کائنات
کی چوکھٹ پر جھکا دے تاکہ اس کا تکبر ٹوٹے۔ اور عزت والا
جو جب زمین پر رکھا جائے تو نفس پامال ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد ہے "اللہ کے نزدیک سب سے بہتر گھونٹ جو مسلمان پیتا
ہے، وہ غصے کا گھونٹ ہے۔" جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے "جب غصہ آئے تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ
الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم پڑھو۔ کیونکہ غصہ شیطانی اثر ہے۔ اور
شیطان کے شر سے جب پناہ مانگی جائے تو وہ اثر زائل ہوجائے گا۔
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کو
اپنے اہل و عیال یا ایسے لوگوں پر غصہ آئے جن پر کہ وہ اپنا غصہ
نکال بھی کرسکتا اور سزا دے سکتا ہے اور وہ اس کو ضبط کرجائے
اور تحمل و بردباری سے کام لے تو حق تعالٰے اس کا قلب امن
و ایمان سے لبریز فرما دے گا۔ یاد رکھو کہ تحمل کی بدولت
انسان شب بیدار، روزہ دار، عابد و زاہد کا مرتبہ پا لیتا ہے۔

آج ہمارا معاشرہ آتشِ غیظ و غضب کی لپیٹ میں آ
چکا ہے۔ ہم میں صبر و برداشت کا مادہ جاتا رہا ہے۔ معمولی
معمولی باتوں پر غصہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ دنگا فساد،
مار کٹائی، ہاتھا پائی یہاں تک کہ قتل و غارت کو معمولی خیال
کیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم کی پاکیزہ تعلیمات اور جناب سرورِ
کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو ہم یکسر بھلا چکے ہیں۔
آئیے پھر سے اسلام کی مصفّٰی روشنی سے اپنے آپ کو منور کریں
اللہ تعالٰے ہمیں فہم و فکر عطا فرمائے۔ آمین۔ وآخر دعوانا
ان الحمد للہ ربّ العلمین۔

PHONE 54406 WEEKLY AL-AITISAM LAHORE RL NO. 5523